بحث و نظر

نابالغ لڑکیاں اور اولیائ کے اختیارات

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

حیدرآباد کی دس سالہ لڑکی امینہ کی شادی سعودی شیخ کے ساتھ بعمر ساٹھ سال کا واقعہ اخبارات میں کافی شہرت پا چکا ہے۔ شیخ یحییٰ النسیجی کے وکیل نے اس معاملہ کو بالغ لڑکی کا مسئلہ بنا کر اس کے دفاع میں کہا ہے کہ اسلامی قانون کے مطابق دس سال کی لڑکی کا نکاح ہو جاتا ہے، کیونکہ دس سال کی عمر میں بھی لڑکی کے بالغ ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ ہندوستان کے قانون میں اٹھارہ سال کی عمر بلوغ کی تجویز کی گئی ہے، اس عمر سے پہلے لڑکی کا نکاح خلافِ قانون ہے۔ فقہاء اسلام کے نزدیک لڑکی کے لیے پندرہ سال کی عمر ہے، اگرچہ طبعی حالات کے تحت پندرہ سال سے پہلے دس سال تک بھی بلوغ ہو سکتا ہے اور لڑکے کے بلوغ کی قانونی عمر اٹھارہ سال مانی گئی ہے۔ لیکن لڑکی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ نکاح بالجبر کا ہے۔ حیدرآباد کے ایک دوست کا خط بھی اسی مفہوم کا آیا ہے کہ لڑکی کے باپ نے کسی مفتی صاحب سے یہ مسئلہ پوچھا اور انھیں بتایا گیا کہ لڑکی کا باپ نابالغ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر بھی کر سکتا ہے، البتہ بالغ لڑکی کی رضامندی شرط ہے۔ اِس مسئلہ سے فائدہ اٹھا کر لڑکی کے باپ نے شیخ سے لڑکی کا سودا کیا اور لڑکی کو بے خبر رکھ کر اسے شیخ فرتوت کے حوالہ کر دیا۔ ذیل میں اولیاء اور سرپرستوں کے اس اختیار پر گفتگو کی گئی ہے اور فقہی مسائل کی عام اُردو کتابوں اور سادہ لوح مفتیانِ کرام کے فتاویٰ سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اسے دُور کیا گیا ہے۔

فقہِ اسلامی میں ضرورت کے تحت لڑکی کے باپ دادا وغیرہ (اولیاء) کو یہ حق دیا

گیا ہے کہ وہ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح اُس کی مرضی کے بغیر اپنے اختیارِ تمیزی سے بھی کر سکتے ہیں، لیکن یہ اختیار (ولایتِ اجبار) غیر مشروط نہیں معلوم ہوتا ـــ عہدِ اوّل میں اس کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جاہلیت کے دور میں بعض عرب قبائل افلاس کے خوف سے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی دور میں باپ دادا کو لڑکی کی مرضی کے بغیر بھی نکاح کے رشتہ میں منسلک کر کے شوہر کے حوالہ کرنے کا اختیار دیا تاکہ ان کے سر سے لڑکی کا بوجھ اُتر جائے اور جو خوف زدہ اور کمزور ذہن والے لوگ قتلِ اولاد کا عمل کرتے تھے اور اب اسلام نے انہیں اس فعل سے روک دیا تھا، نابالغ لڑکیوں کی مرضی حاصل کیے بغیر ان کا نکاح کر کے اپنے ذہنی بوجھ سے نجات حاصل کر لیں ـــ

پھر اسلام نے آہستہ آہستہ لڑکیوں کی طرف سے لوگوں کے دل میں محبّت ڈالی، لڑکی کے ساتھ آنحضور ؐ نے غیر معمولی شفقت و محبت کا اظہار کیا، ماں باپ کو خدا تعالیٰ کی ربوبیت اور رزاقی کا یقین دلایا، شادی کے رشتہ کے لیے مادّی شان و شوکت کی اہمیت کو کم کیا بلکہ اس تصور کی مذمّت کی اور نیکی اور خدمت کے معیار کو پسندیدہ قرار دیا۔ اس ذہنی انقلاب کے بعد ماں باپ کے جبری طرزِ عمل کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور لڑکی کے سرپرست اور اولیاء رشتۂ نکاح کے ان طبعی اور عقلی مصالح کے پابند ہو جاتے ہیں جو قرآن کریم اور احادیثِ نبویؐ میں بیان کیے گئے ہیں۔

فقہاءِ اسلام نے ’ولایتِ اجبار‘ یعنی ماں باپ کے جبر و زبردستی کی مصلحت کے بارے میں اصولی طور پر جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے :

” الولایۃُ علی الحرّۃ انما تثبت باعتبارِ الحاجۃِ ولا حاجۃَ لصغیرۃٍ لانعدام الشّھوۃِ “ (حاشیہ کنز ص۱۰)

یعنی آزاد عورت پر اس کے اولیاء کو ضرورت کے تحت اختیار حاصل ہوتا ہے، اور اس اختیار کی نابالغ لڑکی کے معاملہ میں کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ نابالغ لڑکی نسوانی خواہش اور فطری شہوت سے محفوظ ہے۔ اس اصولی دلیل کے بعد فقہاء لکھتے ہیں کہ :

اَلّا انّ ولایۃَ الاَبِ تثبت بنصٍّ وھو قولہ، علیہ السّلام:
للبکر یزوجھا ابوھا۔ (بحوالہ عینی)

یعنی باکرہ لڑکی (کنواری) کا نکاح اس کا باپ کرے۔

اس حدیثِ قولی میں اولیاء کا حق بیان کیا گیا ہے، یعنی معاشرہ میں عورت کی عزت قائم رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ لڑکی کا باپ اپنی ولایت سے (یا وکالت سے) اس کا نکاح کرے۔ اس حدیث سے ولایتِ اجبار (لڑکی کی نامرضی کے باوجود اس کا نکاح کرنا) ثابت نہیں ہوتا۔

اِس قولی حدیث کے علاوہ ولایتِ اجبار کے استدلال میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے نکاح کا معاملہ اور حضرت علی رضؓ کی صاحبزادی امِ کلثوم کے نکاح کے واقعات پیش کیے جاتے ہیں کہ ان محترم خواتین کا عقد ان کے والدین نے نابالغی کی عمر میں کیا۔ لیکن ان واقعات سے نابالغ لڑکیوں کی نامرضی اور ان پر باپ کا جبر کیسے ثابت ہوتا ہے؟ — یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لڑکیاں اس ہونے والے رشتہ سے بے خبر اور بے علم تھیں، البتہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان لڑکیوں کی مصلحتِ دین و دنیا کی خاطر ان کے ذمہ دار والدین نے ان کا نکاح کم عمری کے اندر معاشرہ کے ذمہ دار بڑی عمر والوں کے ساتھ کر دیا۔ ظاہر ہے کہ وہ نابالغ لڑکیاں اپنے ہونے والے شوہروں کی عظمت سے آگاہ تھیں اور اپنے والدین کی دُور اندیشی اور اپنے حق میں خیر خواہی سے مطمئن تھیں۔

نابالغ ہونے کے سبب قانونی اعتبار سے ان کی رضامندی اور نارضامندی کا کوئی اعتبار نہیں اور ان کے ماں باپ ان کی خیر خواہی کے جذبہ سے اپنے اختیارِ خصوصی کے تحت ان کا عقد کرتے ہیں، اس لیے اہلِ فقہ و قانون نے 'ولایتِ اختیار' کے مقابلہ میں اس کا نام 'ولایتِ اجبار' رکھ دیا۔ ورنہ اس قسم کے معاملات میں لڑکیوں کو مجبور کرنے اور ان پر زبردستی کرنے کا کوئی مفہوم نہیں پیدا ہوتا۔ یہ مطلب نہیں کہ نابالغ لڑکیوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر انہیں حوالہ غیر کر دیا جائے۔ مجبور کرنے

کا مفہوم انکار کرنے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے — اور وہ نابالغ لڑکیاں نہ انکار کرنے کی حیثیت میں ہوتی ہیں، نہ اقرار کرنے کی حیثیت میں — البتہ اس واقعہ سے باخبر ہوتی ہیں۔ قرآن کریم کا عام اصول یہ ہے کہ :

لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ : ۲۵۶) یعنی دین کے معاملات میں جبر و اکراہ کی اجازت نہیں — نکاح بھی دین کا معاملہ ہے اور اس قرآنی اصولِ عام کے تحت آتا ہے

شاہ ولی اللہؒ کی محتاط تعبیر

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس بحث میں نہایت معقول اور محتاط تعبیر و تشریح اختیار کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ لڑکیوں کو بے حیائی سے بچانے اور معاشرہ میں ان کا وقار قائم کرنے کی خاطر شریعت نے ان کے اولیاء کو کچھ اختیار دیا ہے :

"فَوَجَبَ اَنْ یَجْعَلَ لِلاَوْلیاءِ شَیْئٌ من ھذا الباب لتسد المفسدۃ" (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲ ص ۱۲۷)

(پس ضروری تھا کہ لڑکیوں کے اولیاء کو نکاح کے معاملات میں کچھ اختیارِ خصوصی دیا جائے تاکہ معاشرہ میں فساد کی روک تھام ہو سکے۔)

یہ اختیار نابالغ لڑکیوں کے معاملہ میں ولایتِ اجبار کہلاتا ہے اور بالغ لڑکیوں کے معاملہ میں اسے ولایتِ اختیار کہتے ہیں۔

بالغ عورتوں کو اسلام نے اپنی آزاد رائے پر عمل کرنے کا اختیار دیا ہے لیکن معاشرہ میں عورت کی عزت کا قیام اسی میں تسلیم کیا گیا ہے کہ ان کے سرپرست آگے آکر ان کی نمائندگی کریں اور عورتیں اپنے سرپرستوں کو اپنے معاملات میں نمائندہ بنائیں۔

فقہاءِ احناف نے نابالغ لڑکیوں کا اپنے خصوصی اختیار سے نکاح کرانے کا تمام اولیاء کو حق دیا ہے — صرف اتنا فرق کیا ہے کہ باپ دادا کا کیا ہوا عقد بالغ ہونے کے بعد لڑکی توڑ نہیں سکتی اور دوسرے درجہ کے اولیاء کا کیا ہوا عقد بلوغ کے

بعد فوراً توڑ سکتی ہے۔ دوسرے ائمہ ولایتِ اجبار کا حق صرف باپ دادا کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔

ولایت کی شرائط

بالغ لڑکیوں کی ولایتِ اختیار ہو یا نابالغ لڑکیوں کی ولایت اجبار ہو، فقہاءِ کرام نے اس کے لیے اہلیتِ ولایت کی ضروری شرطیں بیان کی ہیں۔ خاص طور پر ان شرائط کی اہمیت اور ضرورت نابالغ لڑکیوں کے نکاح میں زیادہ اہم ہو جاتی ہے۔

ایک ولی کے مستحقِ ولایت ہونے کے لیے مسلمان ہونا، عاقل و بالغ ہونا اور آزاد ہونا ضروری ہے اور ساتھ ہی اس میں عدالت کا ہونا ضروری ہے۔ عدالت کا یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ ولی دینی فرائض کا پابند ہو، کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو، صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ان اوصاف کی حیثیت استحباب کی نہیں، بلکہ شرطِ واجب کی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک جس میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ فاسق ہے اور اسے ولایت کا حق حاصل نہیں۔ ان حضرات کی دلیل حضرت ابنِ عباسؓ کا یہ قول ہے:

"لَا نِكَاحَ اِلَّا بِشَاهِدَیْ عَدْلٍ وَوَلِیٍّ مُرْشِدٍ"

(نکاح منعقد نہیں ہوتا مگر دو عادل گواہوں کی موجودگی میں اور ایسے ولی کے ذریعہ جو صحیح نمائندگی کرتا ہو۔)

"لانها ولاية تحتاج الى النظر وتقدير المصلحة فلا يستبد بها الفاسق"

(کیونکہ ولایت میں لڑکی کے مستقبل پر غور کرنے اور اس کی مصلحت پر نظر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک فاسق آدمی اس کی اہلیت نہیں رکھتا۔)

(الفقہ الاسلامی، جلد ۷، ص ۱۹۷)

مقاصدِ نکاح

قرآن کریم اور احادیثِ نبوی میں رشتۂ ازدواج کے حسبِ ذیل مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم:۲۱)

یعنی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہیں میں سے تمہارے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کے ذریعہ زندگی کا سکون حاصل کرو اور اس نے اس رشتہ کو تمہارے درمیان گہری محبت اور الفت کا ذریعہ بنا دیا۔

(۲) حدیث میں ارشاد فرمایا گیا:

تَزَوَّجُوا الْوَلُوْدَ الْوَدُوْدَ (مشکوٰۃ، ص ۲۶۷)

کہ عورتوں کی شادی ایسے مردوں سے کرو جو توالد و تناسل کے مقصد کو پورا کر سکیں اور محبت کرنے والے بھی ہوں۔

حضرت ابنِ عباس رضؓ کے الفاظ کے مطابق ’ ولی مرشد‘ وہ ہے جو قرآن و حدیث کے بیان کردہ مقاصد کی روشنی میں اپنی لڑکیوں کا رشتۂ ازدواج قائم کرے اور جو ولی اس رشتہ کو مالی منفعت کا وسیلہ بنائے وہ حقِ ولایت سے محروم ہے۔ مالی منفعت تو صرف لڑکی کے لیے مہر کی حد تک ہے، جو دونوں فریقوں کے درمیان طے ہو جائے، یا پھر طے نہ ہونے کی صورت میں مہرِ مثل واجب ہوتا ہے۔

لڑکی کے لیے خیارِ عیب

جس نابالغ لڑکی کو اس کے اولیاء اپنے اختیارِ خصوصی سے رشتۂ نکاح میں منسلک کر دیں اسے بالغ ہونے کے بعد اس رشتہ کو منقطع کرنے کا حق حاصل ہے جب اس کے شوہر میں کوئی عیب یا خبیث بیماری مثلاً نامردی یا جنون وغیرہ کی صورت میں موجود ہو۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد ایک منٹ کا توقف کیے بغیر اسے اعلانِ بیزاری کرنا چاہیے۔ اگر کچھ بھی توقف ہوگا تو حقِ خیار

باطل ہو جائے گا، لیکن عملی طور پر یہ شرط تکلیف مالا یطاق معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ لڑکی پہلی فرصت میں اپنے گلے سے یہ طوق نکالنے کی کوشش کرے گی، لیکن اتنی عجلت اور تنگی کے معنی تو یہ لیے جائیں گے کہ لڑکی کو یہ اختیار صرف دکھاوے اور خانہ پری کے طور پر دیا جا رہا ہے۔

قتلِ اولاد سے زیادہ سنگین

قرآن کریم نے عرب جاہلیت کے دستور (قتلِ اولاد) کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (بنی اسرائیل : ۳۱)

"لوگو! اپنی اولاد (لڑکیوں) کو افلاس کے اندیشہ سے ہلاک نہ کیا کرو، انہیں بھی اور تمہیں بھی (دونوں کو) ہم ہی روزی پہنچاتے ہیں۔"

اور نابالغ لڑکیوں کو اپنی ولایت و سرپرستی کی آڑ میں حصولِ دولت کے لیے ہوس رانی کرنے والے مردوں کے حوالے کرنا قتلِ اولاد سے زیادہ سنگین جرم معلوم ہوتا ہے — اس بات کی شہادتیں موجود ہیں کہ کم سن لڑکیوں کو دولت مند شیوخ عرب کے حوالے کر کے انہیں دائمی سزائے جہنم میں جھونک دیا گیا ہے، کیونکہ وہ بالغ اور ہوشمند ہونے کے بعد اپنے جابر معاشرہ میں آواز اٹھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔

تحفظِ عصمت کے لیے اجتہاد

خدا ترس اور متقی علمائے احناف نے عورتوں کی عصمت کے تحفظ کے لیے اجتہاد شرعی کی ضرورت کو محسوس کیا اور مولانا حسین احمد مدنی رحؒ اور مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی رہنمائی میں "الحیلۃ الناجزہ" کتاب کی صورت میں مفقود الخبر شوہر (وغیرہ) کے حق میں مسلکِ احناف چھوڑ کر امام مالکؒ کے مسلک کو قبول کیا گیا اور صرف چار سال

شوہر کے انتظار کی مدّت مقرر کی گئی۔ اس کے بعد مشہور حنفی فقیہہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ نے ایک مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ کے مطابق بالغ لڑکی کے نابالغ شوہر سے فسخِ نکاح کرانے کی اجازت دی، اور یہ دلیل پیش کی کہ مفقود الخبر شوہر کی بیوی کے نان و نفقہ اور تحفظِ ناموس کے لیے اگر امام مالکؒ کے فقہی اجتہاد کو تسلیم کیا جاسکتا ہے تو پھر ایک نابالغ شوہر سے بالغ عورت کو آزاد کرانے کے لیے امام احمدؒ کے مسلک کو تسلیم کرنے میں کیا تامل ہوسکتا ہے۔ (کفایت المفتی، جلد ۶ صہ ۱۰۴) کیونکہ اس صورت میں بھی عورت کے ناموس کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے جس کو دُور کرنا ضروری ہے۔

افسوس ہے کہ سعودی سفارت خانہ کی اس سختی کے باوجود کہ سفارت خانہ ہندوستانی لڑکیوں کے لیے ویزا جاری نہیں کرتا، پھر بھی یہ دولت مند شیوخ مختلف بہانوں سے خاص طور پر حیدرآباد کی لڑکیوں کو لے جاتے ہیں اور اس اُجڑی ہوئی ریاست کے مسلمانوں کی غربت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگرچہ آج کے حالات میں حیدرآباد ایک اجڑی ہوئی ریاست نہیں رہی ہے۔

علماء و فقہاء ولایتِ اجبار کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے شرعی مسئلہ کی آڑ میں فائدہ اٹھانے والے ہوس ران طبقہ کے فتنوں کا سدِ باب کرنے کی کوشش کریں گے۔

بقیہ: ڈاکٹر طاہر سعید کے نام

بے خدا فلسفہ اب کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکل کر مندر و خانقاہ، مسجد و حرم اور دیر و کلیسا کے دروازوں پر بھی دستک دینے لگا۔ چنانچہ اس حقیقت کا تماشا ہم اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ دینی گھرانوں کے نوجوان فلم کدوں اور کلبوں کے اندر فن کار، موسیقار، اداکار اور گلوکار بن کر نکل رہے ہیں۔ اسی حالتِ زار پر ماتم کرتے ہوئے اقبال اپنے ساقی سے پوچھتا ہے کہ یہ کس کافر ادا محبوب کے غمزۂ خونریزہ کا بحرِ بیکراں ہے جو عوام تو درکنار ہمارے دینداروں کی متاعِ دین و دانش کو بھی لٹا کر خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جارہی ہے۔

(جاری ہے)